منطق وفلسفہ

ایک علمی و تحقیقی جائزہ

جناب محمد اطہر حسین قاسمی بستوی

اقبال اور فلسفہ شاعر مشرق ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم حکمت وفلسفہ اور دوسرے علوم نظریہ میں بھی اپنی ایک مخصوص رائے رکھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ کوئی بھی نظریہ اور فلسفہ جب تک اپنی پشت پر جد و جہد کی قوت اور ایثار و قربانی کی ہمت نہیں رکھتا وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ فلسفہ ہو یا کوئی علم ہو اگر محض علمی بحث و نظر لفظی بازی گری اور مابعد الطبیعی مناقشہ آرائی تک محدود رہے اور زندگی کے میدان میں نہیں اترتا اور انسانی معاشرے کے مسائل سے صرفِ نظر کرتا اور اپنی الگ دنیا میں رہنا چاہتا ہے تو ایسے علم وفلسفہ کے لئے زندگی کی ضمانت نہیں دی جاسکتی، ایسا نظریہ وفلسفہ ایک نہ ایک دن اپنی موت آپ مرجائے گا، چنانچہ فرماتے ہیں :

وہ مردہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفتار
جو فلسفہ لکھا نہ گیا خونِ جگر سے

فلسفہ کے عمیق مطالعہ اور اس کی طویل تحقیقات و تجربات نے اقبال کو یہ رائے قائم کرنے پر مجبور کر دیا کہ فلسفہ زندگی کے مسائل کے حل میں سراسر ناکام اس کا آبدار صدف گوہر زندگی

سے خالی اور وگل دنیا سے بڑی حد تک کنارہ کش ہے، وہ انسانیت کی کوئی مدد نہیں کرسکتا اور نہ زندگی کو کوئی راہِ عمل دے سکتا ہے، زندگی کے مکمل دستور و نظام کے لئے اقبال رسالت محمدی کا نام لیتے ہیں، وہ اپنے ایک فلسفہ زدہ دوست کو جو نسبی اعتبار سے سیّد تھے ہمدردانہ عتاب و نصیحت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ :

"میں تو اصل کا سومناتی ہوں اور میرے آباء و اجداد لاتی و مناتی تھے، میرا خاندان برہمن تھا لیکن میں اس کے آغوشِ کفر سے نکل کر دامنِ اسلام میں پہونچا لیکن تمہاری رگوں میں تو ہاشمی خون جاری اور تمھیں سید الاولین والآخرین سے قرابت و فرزندی کا فخر حاصل ہے لیکن تم انھیں چھوڑ کر فلسفیوں کے وہم و گمان کا شکار ہو رہے ہو حالانکہ میرے وجود میں فلسفہ گوشت پوست کی حیثیت رکھتا ہے اور میں اس میں اترا ہوا ہوں لیکن یہی سمجھتا ہوں کہ فلسفہ حقیقت کا حجاب ہے اور وہ انسان کو زندگی سے دور کرکے رہتا ہے، اس کے مباحث روح عمل کو مضمحل بنانے میں افیون سے زیادہ تیز ہیں، ہیگل بیچارہ بھی دوسروں کی طرح خالی خولی اور اسیر وہم و گمان ہے، تمہاری زندگی میں دل کی آگ بجھ گئی ہے اور تم نے اپنی شخصیت کھو دی ہے اس لئے برگساں کے مقلد بن رہے ہو، بنی آدم زندگی کا پیغام چاہتے ہیں لیکن فلسفہ خاموش ہے، مومن کی اذان وہ پیامِ بیداری ہے جس سے دنیا روشن اور کائنات بیدار ہو جاتی ہے، وہی دین و مذہب زندگی کی تنظیم کر سکتے ہیں جو ابراہیمؑ و محمدؐ کا عطیہ ہیں، اے ابن علی! بوعلی سینا کی تقلید کب تک؟ قائدؐ قریشی ابن سینا سے کہیں زیادہ قابلِ تقلید ہے ؂

دل در سخن محمدی بند — اے پدر علی ز بو علی چند
چوں دیدۂ راہ بیں نداری — قائد قرشی بہ از بخاری"

(نقوش اقبال ص ۹۹ تا ۱۰۱)

اقبالؔ فرماتے ہیں کہ فلسفہ کی حقیقت میں خوب جانتا ہوں کیونکہ میں نے بھی ایک عرصہ تک اسی راہ کی صحرانوردی کی ہے ؎

افکار جوانوں کے خفی ہوں کہ جلی ہوں — پوشیدہ نہیں مردِ قلندر کی نظر سے
معلوم ہیں مجھکو ترے احوال کہ میں بھی — مدّت ہوئی گذرا تھا اسی راہ گزر سے
الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا — غوّاص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے

(ضرب کلیم ص ۱۹)

اہل اللہ اور مشائخ جس عقل و خرد کی بات کرتے ہیں دل ان کی تصدیق کرتا ہے اور زبان اس کی تائید و توثیق میں گویا ہوتی ہے، اسی کی قدر و قیمت ارباب حقیقت کے نزدیک مسلّم ہے وہ بیش بہا موتی اور آب دُرِ نایاب ہے، اس کے سامنے فلسفہ کی تراش خراش اور لفظی بازی گریوں کی کوئی حیثیت نہیں، اقبال فرماتے ہیں ؎

پیدا ہے فقط حلقۂ اربابِ جنوں میں — وہ عقل کہ پا جاتی ہے شعلے کو شرر سے
جس معنیٔ پیچیدہ کی تصدیق کرے دل — قیمت میں بہت بڑھ کے ہے تابندہ گہر سے
وہ مردہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفتار — جو فلسفہ لکھا نہ گیا خونِ جگر سے

(ضرب کلیم ص ۱۹)

ڈاکٹر اقبال اپنی نظم فلسفہ و مذہب میں کھول کھول کر اس حقیقت کو بیان کرتے ہیں کہ فلسفہ مذہب کا ساتھ نہیں دے سکتا، فلسفہ کے سیکھنے والوں پر اس کی گتھیاں نہیں کھلتیں، وہ حیران رہتے ہیں کہ آخر کس ادراک نے بیابان میں آ گئے اور کن [illegible] وادیوں میں سفر کرنے لگے کیونکہ فلسفہ سفر زندگی ہموار نہیں کرتا ہے

یہ آفتاب کیا یہ سپہر بریں ہے کیا — سمجھا نہیں تسلسل شام و سحر کو میں
اپنے وطن میں ہوں کہ غریب الدیار ہوں — ڈرتا ہوں دیکھ دیکھ کے اس دشت و در کو میں
کھلتا نہیں مرے سفر زندگی کا راز — لاؤں کہاں سے بندۂ صاحب نظر کو میں

(بال جبرئیل ص ۱۹۹)

فلسفہ کا ہر مسافر اس راہ میں پریشان ہوتا ہے خواہ اس کا پیشوا ہو یا ادنیٰ طالب علم، آخرکار طالب راہ حق کو اس کا ساتھ چھوڑ دینا پڑتا ہے کیونکہ اسی میں اس کو نجات اور فلاح و سعادت کی منزل نظر آتی ہے ؎

حیراں ہے بو علی کہ میں آیا کدھر سے ہوں — رومی یہ سوچتا ہے کہ جاؤں کدھر کو میں
جاتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ — پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

(بال جبرئیل ص ۱۹۹)

اقبال اب تک فلسفہ کی خبر لے رہے تھے، اب فلسفی کی خبر لے رہے ہیں، فرماتے ہیں کہ فلسفی بلند بال ہوتا ہے مگر اس میں جسارت و غیرت نہیں ہوتی، وہ سرّ محبت سے محروم رہتا ہے اور شکارِ زندہ کی لذت سے بے خبر، وہ صرف لفظی پیچیدگیوں اور زبانی جمع خرچیوں کو متاعِ گراں مایہ تصور کرتا ہے ؎

بلند بال تھا لیکن نہ تھا جسور و غیور
حکیم سرِّ محبت سے بے نصیب رہا
پھرا فضاؤں میں کرگس اگرچہ شاہیں وار
شکار زندہ کی لذت سے بے نصیب رہا

(بال جبرئیل ص ۲۱۸)

اسلام کی ابتدائی صدیوں میں معقولات کے فروغ میں بڑا دخل جماعت اخوان الصفا اور ان کے تصنیف کردہ رسائل کا تھا آئندہ باب میں اسی جماعت اور اس کے رسالوں

کا علمی و تحقیقی تجزیہ پیش کیا جا رہا ہے، انشاء اللہ علم و تحقیق کے شیدائیوں کو یہ باب بہت پسند آئے گا، لیجئے ملاحظہ فرمائیے :

باب نہم

معقولیوں کی جماعت اخوان الصفا کے رسالوں کا تحقیقی جائزہ ایک مناظرہ کی روشنی میں

اخوان الصفا فلسفیوں کی ایک جماعت تھی جنھوں نے اکیاون مقالوں میں ایک کتاب مرتب کی تھی، اس کے پچاس مقالے حکمت کی پچاس انواع پر مشتمل تھے اور آخری مقالہ پہلے

لہ جمال الدین قفطی نے ان رسائل کے مؤلفین میں صرف ابو سلیمان محمد بن معشر البیستی (مقدسی) ابوالحسن علی بن ہارون الزنجانی ابو احمد المہرجانی اور عوفی کا نام لیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کے علاوہ اور لوگ بھی تھے، شہرزوری نے زید بن رفاعہ کے نام کا بھی اضافہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان رسائل کی عبارت مقدسی نے لکھی تھی لیکن قفطی کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ زید بن رفاعہ ان رسائل کی تدوین و ترتیب میں شامل نہ تھا بلکہ وہ محض ان مؤلفین کا شریک صحبت تھا، اخوان الصفا ایک آزاد خیال گروہ تھا جس کو کسی خاص فرقہ یا کسی خاص مذہب سے تعلق نہ تھا لیکن بایں ہمہ وہ مذہبی حیثیت سے فرقۂ شیعہ سے تعلق رکھتا تھا، یہ لوگ اپنی تعلیمات مخفی طور سے دیتے تھے اور صرف اس مذہب یا ان اسرار و معانی کی تعلیم دیتے تھے جو اہل بیت سے ماخوذ ہیں، اس گروہ کے ہر فرد کو یہ ہدایت تھی کہ جب وہ کسی کو اپنا دوست یا بھائی بنانا چاہے تو اس کو اس طرح پرکھے جس طرح درہم و دینار پرکھے جاتے ہیں، اس جماعت میں ہر طبقہ کے لوگ شامل تھے اور ہر ملک میں اس کا جال پھیلا ہوا تھا اور ان کی تعلیم و تربیت کے لئے ہر جگہ ایک خاص شخص (باقی اگلے صفحہ پر)

عقائد کا ملخص تھا، اس کتاب کا مقصد علوم عقلیہ کی نشر و اشاعت اور ان کی تبلیغ تھا اس لئے اس میں محض اشارات ملتے ہیں مفصل مضامین نہیں، نیز اس کے مصنفوں کے بارے میں بھی علمار میں اختلاف پایا جاتا ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس کا مصنف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسل کا ایک امام تھا اور بعض کہتے ہیں کہ یہ کسی قدیم معتزلی کی

(بقیہ صفحہ گذشتہ) مقرر ہوتا تھا، اس جماعت کی ایک خاص مجلس تھی جس میں وہ لوگ بڑے شوق و دلچسپی سے شریک ہوتے تھے اور جو لوگ شریک نہیں ہوسکتے تھے ان کی اصلاح و تربیت کے لئے یہ رسالے لکھے گئے تھے جو ان کو تقسیم کیے جاتے تھے، جب لوگ اس مجلس میں آتے اور ان کے ساتھ کوئی نوخیز اور نو آموز شخص ہوتا تو اس کے سامنے ایک خطبہ دیا جاتا تھا، جو لوگ اس مجلس میں شریک نہیں ہوتے ان کے پاس داعی اور مبلغ بھیجے جاتے تھے اور داعی کے ذریعہ ان تک یہ پیغام پہونچایا جاتا تھا، اس جماعت کا اصلی مقصد ایک سیاسی انقلاب لانا اور ایک نئی سلطنت کا قیام تھا، انھوں نے علم و مذہب اور اخلاق کے ذریعہ اس انقلاب کو پیدا کرنا چاہا ہے، چونکہ انسانوں کے مختلف گروہ ہیں اور ہر گروہ پر مختلف علوم، مختلف مذاہب اور مختلف عقائد کا اثر پڑتا ہے اس لئے انھوں نے ہر علم، ہر مذہب اور ہر عقیدہ کو اس کا ذریعہ بنایا ہے اور اپنے بھائیوں کو یہ نصیحت کی ہے کہ وہ کسی علم سے دشمنی نہ رکھیں، کسی کتاب کو نہ چھوڑیں اور کسی مذہب سے تعصب نہ رکھیں کیونکہ ان کا مذہب تمام مذاہب کو شامل ہے، ابوحیان توحیدی جس سے وزیر صمصام الدولہ نے سوال و جواب کیے تھے انھوں نے ان میں سے چند رسائل اپنے شیخ ابوسلیمان منطقی سجستانی کو پیش کیے تھے مگر انھوں نے چند دن تک مطالعہ کرنے کے بعد ابوحیان کو واپس کر دیے تھے اور واپس کرنے کے وقت بہت تفصیلی گفتگو فرمائی، اس موقع پر ابن العباس بخاری نے ابوسلیمان منطقی سجستانی سے پوچھا کہ ایسا کیوں ہوا؟ تو انھوں نے اس کا تفصیلی جواب دیا، اس پر بخاری نے پھر اعتراض کیا کہ وحی میں انبیار کے درجے بھی مختلف ہیں، اِس کا منطقی نے پھر جواب دیا، (باقی اگلے صفحہ پر)

تصنیف ہے ، بہرحال ان اختلافات کی وجہ سے ہم کوئی یقینی اور حتمی رائے قائم نہیں کرسکتے، تاہم اس کے بارے میں ساتویں صدی ہجری کے نامور مؤرخ جمال الدین ابوالحسن علی بن یوسف القفطی متوفی ۶۴۶ھ نے اپنی کتاب تاریخ الحکماء میں ایک تفصیلی روشنی ڈالی ہے جس میں انھوں نے ایک علمی مناظرے کے ذریعہ اخوان الصفا کی حقیقت ، اس کی افادیت و عدم افادیت اور اس کے رسالوں کے مصنف کی تعیین پر ایک عمدہ گفتگو کی ہے ، ذیل میں وہی مناظرہ قارئین کی دلچسپی کے لئے پیش کیا جارہا ہے، لیجئے ملاحظہ فرمائیے :

علامہ جمال الدین ابوالحسن علی بن یوسف القفطی کہتے ہیں کہ میں خود اس بات کی تلاش میں پریشان تھا کہ رسائل اخوان الصفا کا مصنف کون ہے ، اچانک امام المتکلمین

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اب وزیر نے ابوحیان توحیدی سے کہا کہ کیا مقدسی نے بھی یہ باتیں سنیں تو وہ بولا کہ باب الطاق میں مسودہ نویسوں کے سامنے میں نے یہ اور اسی قسم کی بہت سی باتیں اس سے کہیں مگر وہ خاموش رہا، یہ اس مناظرہ کی ترتیب ہے جو زود فہمی کے لئے لکھدی گئی ہے ورنہ کہیں کہیں مناظرہ کی صورت حال پیچیدہ ہوگئی ہے جو پڑھنے والوں کی سمجھ میں نہیں آتی اس لئے سہولت کے پیش نظر اس کی ترتیب کو اختصار سے لکھ دیا گیا، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اخوان الصفا اسماعیلی شیعوں کی ایک انقلاب انگیز سیاسی جماعت تھی جو ابوسلیمان نہرجوری کے مکان میں جمع ہوتی تھی اور جب کوئی اجنبی اس میں شریک ہوتا تھا تو رمز و کنایہ میں گفتگو کی جاتی تھی ، زید بن رفاعہ ان اجتماعات میں شریک ہوتا تھا اور اسی طریقۂ اجتماع نے وزیر کے دل میں اس کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کر دیئے جیسا کہ مناظرہ کی تفصیلات میں معلوم ہوگا۔

(قاسمی)

ابو حیان التوحیدی کا ایک مناظرہ پڑھا جس سے میری الجھن دور ہوگئی، اس میں لکھا تھا کہ ایک دفعہ صمصام الدولہ بن عضد الدولہ کے وزیر نے ابو حیان سے ایک سوال کیا جس کے جواب میں ابو حیان نے اخوان الصفا کی پوری حقیقت کھول کر بیان کر دی۔ وزیر نے ابو حیان سے پوچھا:

وزیر: ابو حیان! میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ زید بن رفاعہ (جو ایک فلسفی تھا اور وزیر کا ملازم بھی تھا) سے ایسی باتیں سنتا ہوں جن سے میرے شکوک بڑھ جاتے ہیں، وہ کوئی ایسا مذہب بیان کرتا ہے جس سے میں ناواقف ہوں اور ایسے اشارات وکنایات سے کام لیتا ہے جن کی حقیقت مجھے معلوم نہیں، وہ نقطوں اور حرفوں تک کی بحث کرنے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ بآ کے نیچے ایک نقطہ کسی حکمت پر مبنی ہے، تآ کا دو نقطہ اور الف کا بے نقطہ ہونا بھی حکمت سے خالی نہیں وغیرہ وغیرہ اور تعجب تو اس پر ہے کہ وہ بڑے فخر سے اپنے مذہب کی تبلیغ کرتا ہے کیا تم اس کے متعلق کچھ جانتے ہو؟ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اکثر اس سے ملتے رہتے ہو اور بڑی لمبی لمبی صحبتیں رہتی ہیں اور ظاہر ہے کہ اگر کسی آدمی سے بار بار ملاقات ہو تو ملنے والے سے اس کا کوئی راز مخفی نہیں رہتا اس لئے میرا خیال ہے کہ اس کے پوشیدہ مذہب کے متعلق تم کچھ نہ کچھ ضرور جانتے ہو گے۔

ابو حیان: جناب والا! آپ اس آدمی کو بہت پہلے سے جانتے ہیں اور وہ آپ کا ملازم بھی ہے، ایسے حالات میں مجھ سے پوچھنا محض کسر نفسی ہے۔

وزیر: ان باتوں کو چھوڑو اور جو کچھ اس کے متعلق جانتے ہو بیان کرو۔

ابو حیان: میں یہی جانتا ہوں کہ وہ شخص بڑا ذہین و قابل اور نظم و نثر دونوں پر قادر الکلام ہے، حساب بلاغت و تاریخ میں ماہر ہے اور اس کو مذاہب عالم پر عبور

حاصل ہے، عقلاء اور دانشوروں کی آراء و مقالات کو نگاہ تحقیق سے دیکھتا ہے،
اب تین میں سے ایک ہے یا تو اس کے پاس علم بہت کم ہے اور لوگوں کو اپنی طلاقتِ
لسانی سے دھوکا دیتا ہے یا متوسط درجے کا عالم ہے اور اس کی ہر بات دماغ
میں اُتر جاتی ہے یا پختہ درجہ کا علم ہے جس سے لوگ مرعوب ہوجاتے ہیں۔

وزیر: اس کا مذہب کیا ہے؟

ابوحیان: اس کے مذہب کی تعیین قدرے مشکل ہے اس لئے کہ وہ ہر چھوٹی بڑی بات
سے اثر لے لیتا ہے پھر اس قدر قادر الکلام ہے کہ متضاد بیانات میں بھی مطابقت
پیدا کر دیتا ہے، وہ مدت تک بصرہ میں رہا، وہاں علماء کی ایک جماعت سے
اس کے تعلقات پیدا ہوگئے جن میں بعض کے نام یہ ہیں: (۱) ابوسلیمان محمد
بن معشر البیتی المعروف بالمقدسی (۲) ابوالحسن علی بن ہارون زنجانی
(۳) ابواحمد المہرجانی (۴) العوفی وغیرہ، اس جماعت کا مقصد صداقت و تقدس
اور پارسائی و نیکی کی تبلیغ کرنا تھا، انھوں نے ایک مذہب وضع کیا جو اُن کے
زعم کے مطابق رضائے الٰہی حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ تھا، وہ کہتے تھے کہ
شریعت میں جاہلانہ خرافات و اباطیل داخل ہو چکے ہیں جس کی تجدید فلسفہ کے بغیر
نہیں ہوسکتی کیونکہ فلسفہ امور یقینیہ کی خبر دیتا ہے لہٰذا اگر فلسفہ کو شریعت سے
ملا دیا جائے تو ظنی اور غیر یقینی امور خود بخود شریعت سے نکل جائیں گے، اس
مقصد کے لئے انھوں نے فلسفہ کے انواع پر پچاس مقالے لکھے اور ان کا نام رسائل
اخوان الصفا رکھا، ان کو لکھ کر ایک کتاب میں جمع کر دیا اور اس پر اپنے نام نہیں
ثبت کیے پھر کاتبوں سے اس کے نسخے لکھوا کر لوگوں میں تقسیم کر دیئے، ان
رسالوں میں دینی باتیں اور شرعی امثال کافی تعداد میں ملتی ہیں، کہیں کہیں ذو معنیین
فقرے بھی لکھے گئے ہیں اور کہیں منطقی اتو بھی چلائے گئے ہیں۔

وزیر: کیا تم نے ان رسالوں کا مطالعہ کیا ہے ؟
ابوحیان: جی ہاں! لیکن اطمینان نہیں ہوا، انھوں نے ہر موضوع پر کچھ نہ کچھ لکھا ہے مگر پڑھ کر تسکین نہیں ہوتی نیز ان میں خرافات وکنایات اور غلط مسائل بھی بھرے پڑے ہیں، میں ان میں سے چند رسالے اپنے استاذ ابوسلیمان[1] محمد بن بہرام المنطقی السجستانی کے پاس لے کر گیا انھوں نے چند روز تک مطالعہ کرنے کے بعد واپس

---

[1] آپ سجستان کے رہنے والے تھے پھر بغداد آئے اور یحییٰ بن عدی اور متی بن یونس سے تعلیم حاصل کر کے علوم حکمیہ میں کمال پیدا کیا اور ہمیشہ ان ہی کی تعلیم دیتے رہے۔ بڑے بڑے اکابر ورؤساء ان کے یہاں آتے تھے اور ان کا گھر علوم قدیمہ کی اکیڈمی تھا، شہنشاہ عضدالدولہ فناخسرو ان کا بڑا اکرام کرتا تھا، انھوں نے مختلف علوم حکمیہ میں اس کے نام خطوط یا رسالے لکھے ہیں، وہ کانے تھے اور ان کے جسم پر برص کے سفید داغ تھے اس لئے وہ لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر صرف اپنے مکان میں رہتے تھے، ان کے پاس بجز طلبہ و مستفیدین کے کوئی دوسرا نہ آتا تھا، بڑھاپے کے زمانہ میں انھوں نے علم فقہ اور علم تصوف یا علم الاخلاق کو بھی شامل کر لیا تھا اور حنفی المذہب تھے، جب ابن عمید بغداد میں آیا تو اس نے ان کے پاس کئی قاصد روانہ کیئے کہ وہ آکر اپنی ضرورتوں کو پیش کریں لیکن انھوں نے استغناء اختیار کیا اور اس کی خدمت میں حاضر نہ ہوئے، وہ علوم حکمیہ کے ساتھ سلطنت کے سیاسی حالات و واقعات کا بھی ذوق رکھتے تھے اور جو اکابر واعیان ان کے پاس آتے تھے وہ ان سے سلطنت کے حالات بیان کرتے رہتے تھے اس طرح ان میں یہ ذوق پیدا ہو گیا، ان کے دوستوں میں ایک ابوحیان توحیدی تھا جو رؤسا کی مجلس میں آتا جاتا رہتا تھا اور سیاسی حالات وواقعات معلوم کر کے ابوسلیمان کو ان کی اطلاع دیتا تھا، ابوحیان توحیدی نے ابوسلیمان ہی کے لئے کتاب الامتاع والموانسۃ تصنیف کی تھی اور اس میں ان کے لئے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کر دیا اور فرمایا کہ اُن لوگوں نے بے فائدہ تکلیف اٹھائی اور بے سود کوشش کی، وہ پیاسے تھے لیکن چشمے تک نہ پہونچ سکے، ان کے گیت بے لذت اور اکا بنایا ہوا کپڑا کمزور رہے، انھوں نے بالوں میں کنگھی کی لیکن اور الجھا دیا، وہ ایسی تدبیر کرنی چاہتے تھے جو ناممکن الوقوع تھی، ان کی کوشش تھی کہ علم نجوم، علم المقادیر المجسطی طبیعیات، موسیقی اور منطق کو شریعت میں شامل کر دیں اور فلسفہ کو جزء مذہب بنا دیں لیکن یہ ناممکن ہے، ان سے پہلے بھی چند علماء یہ کوشش کر چکے ہیں۔

(باقی آئندہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) وہ تمام واقعات نقل کر دیے تھے جو ابوالفضل عبداللہ بن العارض الشیرازی کی مجلس میں جب کہ وہ صمصام الدولہ بن عضد الدولہ کا وزیر مقرر ہوا تھا بیان کیے جاتے تھے، ابوسلیمان کی ولادت اور وفات کا سنہ ہمارے تذکرہ نویسوں نے نہیں لکھا لیکن یہ یقینی ہے کہ وہ ۳۷۰ھ میں بغداد میں موجود تھے، ابوسلیمان کی کئی تصانیف ہیں جو زیادہ تر معقولات میں ہیں، ایک مشہور کتاب صوان الحکمۃ ہے جو حکماء کے حالات میں ہے اور ظہیر الدین بیہقی نے اسی طرز پر تتمہ صوان الحکمۃ لکھی ہے۔

(تاریخ حکمائے اسلام جلد اول صہ ۳۸۳)